© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

رومیؒ اور اقبالؒ کا تصورِ محبت

محبت ایک تکوینی عنصر ہے۔ سارے وجود کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے اور حیات وہ دائمی محرک جو اس ابدی طاقت کی جانب دعوتِ حرکت دیتی ہے۔ حیات و محبت بظاہر متناقض معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ایک طرف وہ آگے حرکت کرتے ہیں تو دوسری طرف اپنے ماخذ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

محبت گویا ایک قسم کی یادِ وطن (HOME-SICKNESS) ہے۔

محبت تخلیقی طاقتِ انقلاب کا نام ہے۔ محبت کی تخلیقی قوت ہی کے ذریعے انجذاب، نشوونما اور ارتقائی عمل کی باحسن وجوہ تشریح کی جا سکتی ہے۔

رومیؒ اور اقبالؒ دونوں وجدان اور ایمان بالغیب کے قائل ہیں۔ دونوں کا تصور یہی ہے کہ استدلال کے ذریعے زندگی کی توضیح ممکن نہیں ہے اور دونوں عقلیت کے مقابلے میں وجدان اور عزیمت کو حقیقت سے قریب تر خیال کرتے ہیں۔

رومیؒ اور اقبالؒ دونوں سکونی تصوف کے اس مکتب کی مخالفت کرتے ہیں جس میں حرکت و عمل کے بجائے جمود و تعطل کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ دونوں کا ایقان ہے کہ جدوجہد حیات کا ایک ناگزیر عنصر ہے۔ دونوں محبت کو آزاد اور غیر فانی تصور کرتے ہیں۔ رومی کے مقابلے میں اگرچہ اقبال خودی کے فلسفے پر زور دیتے ہیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی دونوں کے نقاطِ نظر میں بڑی حد تک یگانگت پائی جاتی ہے۔

الٰہیات کا علم زندگی کو بہ حیثیت مجموعی سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ خارجی حقیقت ممکن ہے کہ ایک ہیولیٰ ہو، لیکن انسان جو اس کائنات میں تغیر پیدا کرتا ہے بجائے خود کسی خارجی حقیقت کا لگی نہیں ہے۔ وہ اس کا ایک جز ہے اور اس جز میں بھی کوئی نمایاں وحدت نہیں پائی جاتی۔ حکمیاتی علوم اس کی حیات کے مختلف پہلوؤں سے دلچسپی رکھتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی انسان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے نظری اور عملی رجحانات کو مطمئن کرنے کے لیے ممکنہ تجربہ حاصل کرے اس کے اطراف و جوانب کے مادّی مظاہر احساس دروں کے باطنی پہلو کے مقابلے میں منتشر دکھائی دیں۔

افکارِ انسانی کی تاریخ میں "عقلیت" نے مختلف صورتیں اختیار کیں اور آئندہ کرتی رہے گی یہی حال "عقیدت" کا ہے۔ ممکن ہے کہ فکر و خیال کا اہتزاز انھیں دو مکاتبِ خیال کے درمیان جاری رہے۔ اس امر پر خواہ کتنا ہی تاسف کیا جائے کہ مذہب کی آڑمیں آزاد اور صحیح انسانی جدوجہد کی ناجائز اور جابرانہ روک تھام کی جاتی رہی ہے لیکن اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ مذہبی احساسات نے ان اہم انسانی پہلوؤں کی حفاظت کی ہے جب کہ عقلیت ان کے انکار یا استیصال پر تلی ہوئی تھی۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم تیرھویں صدی کے صوفی شاعر اور مفکر حضرت جلال الدین رومیؒ کی طرف توجہ کرتے ہیں جو حکمتِ ایمانی اور وجدان کے جلیل القدر امام اور محبت کے نہ صرف سب سے بڑے نغمہ سنج بلکہ عظیم الشان فیلسوف بھی ہیں۔

وہ محبت کو وجود کے اساسی محرک یعنی "ولولۂ حیات" یا اس کی علتِ غائی سے تعبیر کرتے ہیں ان کے نزدیک زندگی اصلاً ماورائے عقل و ادراک ہے اور اس کے تمام مظاہر ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ بغیر مبالغے کے کہا جاسکتا ہے کہ رومی میں کانٹ کے عملی استدلال، فشتے کی اخلاقی وحدت کے مذہبی نقطۂ نظر، شوپنہار کے "میلانِ بقا" نٹشے کے "میلانِ اقتدار" برگساں کے وجدان اور ولیم جیمس کی اساسی تجربیت پسندی کے محاسن کی تلاش معلومات آفریں اور دلچسپ ہوگی۔ ایک ایسا شخص جو کہ مولانا کے کلام کی تصانیف سے واقف نہ ہو ہمارے اس دعوے کو ممکن ہے کہ بے معنی سمجھے یا اسے خوش عقیدگی پر محمول کرے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ رومیؒ کسی نظام کے بانی یا موسس نہیں ہیں۔ وہ کامل وہ زندگی کے ایک خاص زاویۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ فلسفی کی حیثیت سے ان کا کسی مخصوص گروہ یا جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ رومی کے مرقع تصورات سے کسی واضح مفہوم کو متعین کرنے سے قبل ان کے فلسفے کی بڑے احتیاط اور ترتیب کے ساتھ چھان بین کی ضرورت ہے۔ وہ ایسی ترتیب کے ساتھ حکمتیں بیان کرنے پر قادر ہیں جیسے فطرت تخلیق کرتی ہے یا مصوّر نت نئے مرقعے تیار کرتا ہے ایسے فلسفے کی توضیح میں افلاطون نے بھی مکالموں اور خیالی افسانوں میں گفتگو کی ہے لیکن اصل موضوع سے انحراف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتا ہے۔ رومی کا بیان بھی افلاطون کی طرح غیر مربوط ہے لیکن اس بے ترتیبی میں بھی ارتباط اور تسلسل موجود ہے۔

اس موضوع کی تکمیل کی غرض سے نہایت اختصار کے ساتھ محبت کے متعلق جو وجود کا پہلا محرک ہے رومی کے خیالات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ الفاظ میں محبت کو بیان کرنے کی کوشش ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے فنونِ لطیفہ کو منطق اور استدلال پر برتری حاصل ہے۔ اس کے اظہار کا موسیقی نہ کہ منطق، اگرچہ جزوی سہی لیکن زیادہ موزوں ذریعہ ہے۔ چونکہ محبت بہ لحاظ نوعیت اجتماعِ ضدین ہے اس لیے منطق انسان کی جذباتی نزاکتوں کے اظہار کی فطرتاً صلاحیت نہیں رکھتی۔ محبت بہ یک وقت زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ ایک انگریزی شاعر کے اس خیال کو کہ ہمارے شیریں نغمے وہی ہیں جو ہمیں دردناک پیام سناتے ہیں، بہت عرصہ پہلے رومی نے اپنے کلام میں ظاہر کیا تھا۔ نے کے نغمے میں ایک راز پوشیدہ ہے جس کا اگر انکشاف ہو تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ محبت ایک ہمہ گیر تکوینی قوت ہے جو ذرۂ لایتجزیٰ سے ستاروں تک اور حشرات الارض سے انسان کی حیات تک کارفرما ہے۔ محبت حسن کی جانب ایک حرکت کا نام ہے جو نیکی اور صداقت کی ہم پایہ ہونے کے اعتبار سے کمال اور بلند مقام کی نمائندگی کرتی ہے۔ محبت ہر ذی حیات کا ایک فطری جذبہ ہے جس کے ذریعے منزلِ فنا سے گزر کر حیاتِ جاوید حاصل کی جاتی ہے۔ تمام اشیا دائرے کی صورت میں اپنے ماخذ کی جانب حرکت کرتی ہیں جس سے وہ معرضِ وجود میں آئی تھیں۔ زمان و مکان کی تقسیمیں اسی حرکت کا نتیجہ ہیں۔ رومی کا خیال ہے کہ غیر روحانی اخلاق اور عقلیت دونوں افادیت پسند ہیں۔ وہ بحر کی سطح پر تیرتے ہیں لیکن اس کی گہرائیوں میں غوطہ نہیں لگا سکتے۔ صرف محبت ہی بنیادی قدر ہے اور دوسرے تمام اقدار خارجی اور اداری ہیں جن کی اہمیت کا اندازہ اس اولین قدر کے تحقق و ادراک کی صلاحیت کے بموجب لگایا جا سکتا ہے۔ صرف یہی وہ جوہر ہے جس میں ذاتی آبِ قدر پائی جاتی ہے۔ محبت اپنی خارج میں سزا و جزا کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کا مسلک کچھ "اپنی نظیر آپ" کا سا ہے اور کسی رسمی مذہب کے ساتھ اس کا تمام و کمال انطباق نہیں ہو سکتا۔

ظاہر پرست اہلِ مذہب اور اہلِ تشریع وجود کی چار دیواری کے باہر چکر کاٹتے ہیں۔ اس کے اندر داخل نہیں ہوتے۔ [illegible] محبت اور حسن وجود کے محبوب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصود ہے بلکہ جن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک تکوینی اصول ہے جو موجودات کی قوت کی حیثیت سے کارفرما ہوتا ہے ہر جوہر میں وحدت اور انجذاب کا میلان ہے۔ زندگی کی ایک شکل کا دوسری شکل میں جذب ہونا اور پھر تے رہنا انجذاب اور نشوونما کی بنیاد ہے۔

وجود کے سلسلہ مراتب میں اس کے اپنے پیمانے کے مطابق ہر کمتر چیز دوسری برتر چیز میں فنا ہو جاتی ہے جہاں صرف حیات ہی پائی جاتی ہے۔ موت کا وجود نہیں ہے۔ عام طور پر جس چیز کو غلطی سے موت تصور کیا گیا، وہ دراصل بلند مرتبے تک پہنچنے کا واسطہ ہے۔ تنازع للبقا جو اس قدر غیر مطبوع اور بھیانک دکھائی دیتی ہے محبت کی بنی ہوئی بافت کی الٹی سطح ہے۔

جب کوئی پودا غیر نامیاتی مادے کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے تو اس کے بعد نشوونما کے عمل میں دونوں برابر شریک ہو جاتے ہیں۔ فنائیت نشوونما کی ایک ضروری تمہید ہے۔ زندگی کا مقصد ایک اور بلند تر زندگی اور محبت کا ایک جامع تر ظہور و نمود ہے۔ محبت اصولِ افزائش و نمود ہے اور نفرت کا سلسلہ زوال و انحطاط ہے۔

محبت کے مقاصد اور موضوع بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن محبت نشوونما پاتی ہے۔ محبت رفتہ رفتہ وجود کے زینے طے کرتی رہتی ہے۔ حدودِ عقلیت کے غیر معمولی ماہر کی حیثیت سے رومی فرماتے ہیں کہ منطقی طور پر وجود کی وسعت معلوم نہیں کی جا سکتی۔ احساس ہی حقیقت تک پہنچنے کا صحیح ذریعہ ہے۔ تصور غیر یقینی اور تشویش کا حامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عقلی استدلال روشنی اور رہنما ہے لیکن یہ نہ تو وجود کا نقطۂ آغاز ہے اور نہ وجود کا منتہا۔ خارجی حسن میں جو عاشق کے لئے جاذبِ توجہ ہوتا ہے، منطقی صداقت کی تابانی و درخشانی نہیں ہوتی۔ افلاطون نے کہا تھا "استدلال جہاں کہیں ہماری رہنمائی کرے ہمیں اس کے پیچھے چلنا چاہیئے" لیکن حضرت رومی فرماتے ہیں "زندگی کا اساسی محرک جدھر ہماری رہنمائی کرے ہمیں ادھر چلنا چاہیئے کیونکہ استدلال کے مقابلے میں یہ زیادہ یقینی اور سچا رہنما ہے۔"

رومی فرماتے ہیں کہ ارتقائی عمل میں تمام بلند تر منازل سطحِ زیریں سے باہر کی طرف ابھر آتے ہیں۔ ان کا مرکزی تصور صداقت نہیں بلکہ زندگی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ منطق کا مخصوص نقص یہی ہے کہ وہ توضیح کے ساتھ اشیاء کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے اور پھر اس قوی محرک یافت سے قاصر ہو جاتی ہے جو اپنی ہی منطق کے ذریعے اشیا کو ایک شکل سے دوسری شکل میں تحویل کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے اور تخلیقی ترکیب و امتزاج کے ذریعہ متضاد اشیا سے مافوق ہو جاتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ رومیؒ نے محبت کو تکوینی عنصر کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ ادب یعنی نظم و نثر اور مذہبی نظریات کے سانچوں کی تبدیلی کے ذریعہ بعد کے تقریباً چھ سو سالہ تصورات پر ان کا غیر معمولی اثر رہا ہے۔ اس کے بعد بھی دینی علوم میں ان کے نقطۂ نظر اور جذبات کا اثر سرایت کرتا رہا۔ مستند صوفیہ اور متصوفین شعرا اور متشاعرین سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے زیر اثر رہے۔ لیکن اسلامی دنیا میں اسی قبیل کی ایک اور ہستی پیدا ہونے میں تقریباً چھ صدیوں کا طویل عرصہ درکار ہوا، جس نے اپنے الہامی خیالات اور اسلوبِ بیان سے ہمیشہ رومیؒ کی یاد تازہ کی ہے۔

یہ نامی گرامی ممتاز فلسفی شاعر اقبالؒ تھے جو اب وجود کی اس مادّی فضا سے دُور ہو چکے ہیں۔ اقبال اپنی شاعری کے طویل دور میں ماضی یا حال کی مختلف فکری اور عملی تحریکات سے متاثر ہوئے ہیں جن کی مشرق یا مغرب میں ابتدا ہوئی ہے۔ فلسفے سے عملی یا مجاہدانہ تصوف کی جانب ان کی تدریجی تحریکات کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے لیکن اکثر شعرائے مشرق کی طرح تصوف سے ان کو فطری مناسبت بھی تھی۔

تصوف محض خیال یا تربیت کا نتیجہ نہیں بلکہ طبیعت کی افتاد ہے جب کسی عالی دماغ کو سمتِ مخالف سے سیلاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ اس کی کسی موج کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ اس کی ہر موج کو ایک بلند تر اور وسیع تر ترکیب میں جذب کرنے پر مائل ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر جگہ تصوف کا رجحان ایک طرف تو کامل وحدت اور دوسری طرف سکون اور بے عملی پر مرکوز رہتا ہے۔ صوفی کو عام طور پر الزام دیا جاتا ہے کہ اس کے قوائے عقلیہ مکاشفات سے بے خودی کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں اور وہ اس احساس کو بھی کھو دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے اطراف و جوانب کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اس کے لیے تاریخ پُرفریب خیالی پیکروں کے مرقع کا نام ہے اور وہ احساسات کی زندگی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ ارادہ کی آزادی کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور غیر مصداقی اطلاق میں فنا ہو جانا اس کا مقصود و مطلوب قرار پاتا ہے۔

اس نوعیت کے تصوف میں مطلقیت کے ساتھ فرد کی محبت خودکشی کی ایسی محبت ہے، جیسے پروانہ کو شمع کے ساتھ ہوتی ہے۔ محدود کا غیر محدود کے اندر جذب ہونا بحرِ ناپیدا کنار میں حباب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فنا ہو جانے کے مترادف ہے۔

مشرق کے صوفیانہ اور مابعد الطبیعی افکار میں رومی اور اقبال دونوں ایک ہی نوعیت کے عدیم المثال مرتبے کے حامل ہیں جن کے تصورات اس نوع کے تصوف سے اصلاً مختلف ہیں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ آئیے ان ہر دو صوفی شعرا کے مشابہ امور پر روشنی ڈالیں۔

۱۔ دونوں وجدانی ہیں یا جرمن اصطلاح کے مطابق اہلِ وجدان ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ استدلال کو ثانوی اور صرف واسطے کی سی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ دونوں تخلیقی ارتقا کے قائل ہیں جن کا ایقان ہے کہ محبت، وہ تخلیقی قوت ہے جو ہمیشہ آگے یعنی کائنات کی جامع تر شکل کی جانب حرکت کرتی رہتی ہے، جو کبھی سکون قبول نہیں کرتی، بلکہ اپنے آپ کو مافوق ثابت کرتی رہتی ہے۔

۳۔ دونوں ارادہ کی آزادی کے قائل ہیں۔

۴۔ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ وجدان یا زندگی کی فوری آزمائش غیر بدیہی عقلیت سے برقرار اور عمیق تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں فلاسفۂ حیات کے لقب سے یاد کیے جا سکتے ہیں۔

۵۔ دونوں "ترکِ نفس" سے زیادہ "تزکیۂ نفس و تکمیلِ خودی" پر ایقان رکھتے ہیں۔

۶۔ دونوں انفرادی "انا" کے دوامی ارتقا اور ملکوتی صفات کے روز افزوں انجذاب پر یقین رکھتے ہیں لیکن انجذاب کا کوئی ایسا تصور نہیں ہوتا جس میں فرد اپنی حیثیت کو گم کر دے یا اپنے تعین کی نفی کرے۔

۷۔ دونوں استدلال پر "احساس" اور "ارادہ" کی فوقیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

۸۔ دونوں باعمل ہیں اور ایسے توکل کو اختیار نہیں کرتے جو تعطل کا مترادف ہو۔ عمل ان کے لیے اصل حقیقت ہے اور حضرتِ رومی کے الفاظ میں غلط عمل کو نرے تعطل پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ بے راہ روی، اگرچہ منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ممد نہیں ہوتی لیکن کم از کم اس کے ذریعے اعمال سرزد ہوتے ہیں جن کی اگر تصحیح کی جائے تو مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اقبال جو آزادیِ فکر کے باعث آسانی سے کسی پیر کی مریدی قبول نہیں کرتے، مسرت و افتخار کے ساتھ اپنے آپ کو رومی کا مرید تصور کرتے ہیں اور نہایت اخلاص اور وسعتِ قلب کے ساتھ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جن رجحانات کا اعتراف کرتے ہیں وہ دونوں میں مماثلت و مناسبت نمایاں ہے اور فرق اگر وہ حقیقۃً کوئی ہے تو صرف وقت، ماحول اور شاید کچھ اختلافاتِ مزاج کی بنا پر پایا جاتا ہے۔ اقبال اصطلاحی معنوں میں صوفی یا ولی نہیں تھے لیکن ان کے افکار و احساسات میں وہ تمام رجحانات اس شدت کے ساتھ سرایت کر گئے ہیں کہ کسی کو صوفی یا ولی بنانے کے لیے کافی ہیں۔

آئیے محبت اور عاشق کے بارے میں اقبال کے افکار و جذبات کے چند نمونوں پر غور کریں، جن سے اس مماثلت اور فرق کی توضیح ہو سکے جن کی جانب سطورِ بالا میں اشارہ ہوا ہے۔

۱۔ محبت غیر فانی اور حیات سے مشابہ ہے۔

۲۔ عاشق زندگی کو کبھی مجہول یا معطل خیال نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق نہیں بلکہ ماحول کو اپنے آزاد اور تخلیقی محرکات کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ وہ فی الحقیقت انقلابی ہوتا ہے:

حدیثِ بے خبراں است با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

۳۔ تاوقتیکہ محبت کے اعلیٰ اور برتر اقتدار کو نقطۂ آغاز (نصب العین) تسلیم نہ کر لیا جائے، محض نظری طور پر نیکی اور بدی کی نوعیت متعین نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ محبت چوں کہ ایک انقلابی محرک ہے اس لیے تابع نہیں ہوا کرتی۔ یکے بعد دیگرے وہ نئی نئی کائنات کی تخلیق کرتی ہے۔ وجود ساکن اور جامد نہیں ہوتا۔ تغیر کلی اور عالم گیر ہوتا ہے۔

۵۔ محبت زندگی کے بلا فصل وجدان سے مماثل ہے۔

۶۔ توسیعِ حیات کے غیر مختتم تقاضوں کی راہ میں دیگر امور کا ایک مستقل نظام مزاحم بن کر سامنے آتا ہے اس لیے ان پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ ابلیس یا شیطان اس عالم گیر مزاحمت کی نمائندگی کرتا ہے لہٰذا "شر" کا قانون ناگزیر ہے کیوں کہ اس کے بغیر زندگی کا تقابلی اور اقداری وجود باقی نہیں رہتا۔

۷۔ محبت سارے لطائفِ عظمیٰ کا سرچشمہ ہے اور ماہرِ فنِ لطیف کے لیے الہام۔

۸۔ محبت آزاد ہے اور آزادی کا اصول ہے کہ کوئی غلام عاشق اور کوئی عاشق غلام نہیں ہو سکتا۔ محبت کی آزاد نشوونما کے لیے آزادی ضروری ہے لہٰذا "ہر شعبہ میں محبت آزاد"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطری اور صحیح عمل ہے۔

۹- جب قوانین اور مذہب کے اصول معطل ہو جاتے ہیں تو وہ محبت ہی کی قوت ہے جو ان میں روحِ تازہ پھونک دیتی ہے۔ مذہب محبت کے بغیر محض تسخیر یا رسوم پرستی ہے۔

۱۰- زندگی کے معمے کو حل کرنے کے لیے فلسفیانہ حکمتوں نے اگر تخلیقی محبت کا پتہ نہ چلایا تو ایسی حکمتیں کاغذی پھولوں کی گلدستہ ہیں۔

۱۱- نطشے کا فلسفہ میلانِ اقتدار، تخلیقی محبت کا فلسفہ ہے جو بالواسطہ طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔ فلسفۂ محبت سے اس کا کوئی تضاد نہیں ہے۔

۱۲- اقبال کے نقطۂ نظر سے نطشے اور رومی کے درمیان تفاوتِ درجہ بہت تھوڑا ہے جسے بدقسمتی سے نطشے نے طے نہیں کیا۔

۱۳- علم بجائے خود محبت کی تخلیق نہیں کر سکتا لیکن اس کے لیے ایک ضروری واسطہ ہے۔

۱۴- صرف محبت کے دائرے میں محدود، غیر محدود سے قربت اور یکسانیت رکھتا ہے۔

۱۵- آرزو حیات کا ماخذ ہے مقصود یہ نہیں ہے کہ اس کو کچل دیا جائے بلکہ اس میں شدت کے ساتھ ساتھ نظم و ضبط پیدا کیا جائے۔ نیکی وہ آرزو ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو مالا مال اور اس کے لطف کو دوبالا کر دے۔ بدی وہ آرزو ہے جس کا مقصد زندگی کو مفلس بنانا ہے۔

۱۶- محبت خالص جمالیاتی تخیل کی زندگی نہیں اور نہ نیکی کا مطلب یہ ہے کہ آفاق میں گم ہو کر زندگی بسر کی جائے۔ اصلی اور حقیقی نیکی اپنے خارج اور داخل میں دائمی طور پر فطرت سے کے سمو لینے کا نام ہے۔

۱۷- تمام زندہ مذاہب کا مقصد خدا کی تلاش باہر نہیں بلکہ "انا" میں نئی نئی قوتوں کی دائمی تخلیق ہے جس کو اقبال "انکشافِ انسان" سے تعبیر کرتے ہیں جو نقطۂ نظر تخلیقی محبت کی آفرینش ہے اس کو عقلیت یا مذہب کا کوئی مسخ شدہ مکتبِ خیال پیدا نہیں کر سکتا۔

۱۸- فنِ لطیف بھی اسی ازلی محرک کی صحیح تعبیر نہیں، اگرچہ اس نوع کے مسائل میں ادراکِ حقیقت کے لیے اور ان کی موزوں [illegible] کے لیے [illegible] کے مکاتب میں اس کو فوقیت حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہرِ فنِ لطیف کا تخلیقی محرک تقریباً جنسی تحریک کے مشابہ ہے۔ تخیل کی کسی ہیئت ترکیبی کے مقابلے میں دونوں محرکات زندگی سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں۔

۱۹۔ زندگی کا مقصد اس کے اَنگنت امکانات کو عملی شکل میں تبدیل کرنا ہے۔ اقبال، ولیم جیمز سے متفق ہیں کہ خدا دائمی خالق ہے۔ اس کی تخلیق کا کام کبھی بند نہیں ہوتا اور یہ مسلسل تخلیق اس کے وجود کا ثبوت ہے۔ کائنات کو غیر تغیّر پذیر رکھنا اس کی صفت نہیں ہے۔ محبت اور حیات جب تخلیق اور تجدید ترک کر دیں گے تو ان کا وجود باقی نہیں رہے گا۔

۲۰۔ محبت مقصود اور مطلوب سے پہلے اپنے آپ کو فنا نہیں کرتی۔ معا کی تسخیر اور اپنے آپ میں اس کو جذب کر لینا اس کا مقصد ہے۔ غلبہ حاصل کرنے کے لیے وہ فروتنی اختیار نہیں کرتی بلکہ اس کے حصول کی خاطر وہ اپنے آپ کو قوی بناتی ہے۔

۲۱۔ تمام انسانی جذبات اور فطری محرکات میں محبت ہی سب سے زیادہ عمیق نیز ان روح پرور جذبہ ہے اور فلسفۂ انسانیت کی نہایت ہی خشک اور غیر دلچسپ تعبیر ہے۔

اس خشک مضمون میں مولانا رومی اور علامہ اقبال کے لطائف و حِکم کو پیش کرنے میں بادۂ تلخ کو پھیکے اور بے مزہ پانی میں تبدیل کرنے کا گناہ میں نے اپنے سر لیا ہے۔ گوئٹے کے قول کے مطابق تمام نظریے خشک پتیوں کی مانند ہیں لیکن حیات کا درخت سرسبز و شاداب ہے۔

کاشکے مستی زبانے داشتے
تا ز مستاں پردہ ہا برداشتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطبوعاتِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۱۹۵۰ء میں اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ دورِ حاضر کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اسلامی فکر و خیال کی ازسرِ نو تشکیل کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو موجودہ حالات پر کس طرح منطبق کیا جا سکتا ہے۔ یہ ادارہ اسلام کا ایک عالمگیر ترقی پذیر اور معقول نقطۂ نگاہ پیش کرتا ہے تاکہ ایک طرف جدید مادہ پرستانہ رجحانات کا مقابلہ کیا جا سکے جو خدا کے انکار پر مبنی ہونے کی وجہ سے اسلام کے روحانی تصوراتِ حیات کی عین ضد ہیں اور دوسری طرف اس مذہبی تنگ نظری کا ازالہ کیا جائے جس نے اسلامی قوانین کے زمانی اور مکانی عناصر و تفصیلات کو بھی دین قرار دے دیا ہے اور جس کا انجام یہ ہوا کہ اسلام ایک متحرک دین کی بجائے ایک مذہب بن گیا۔ اس ادارہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اسلام ایک ارتقا پذیر تصورِ حیات ہے جس کی بنیادیں اٹل اور ناقابلِ تغیر ہیں لیکن جس کے تفصیلی قوانین میں بلحاظ حالات ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے بشرطیکہ ایسی ترمیمات اور تبدیلیاں انہی اصولوں پر مبنی ہوں جو بنیادِ اسلام ہیں۔ اس طرح یہ ادارہ دین کے اساسی تصورات اور کلیات کو محفوظ رکھتے ہوئے ایک ترقی پذیر معاشرہ کا خاکہ پیش کرتا ہے جس میں ارتقائے حیات کی پوری پوری گنجائش موجود ہو اور یہ ارتقا انہی خطوط پر ہو جو اسلام کے متعین کردہ ہیں۔

اس ادارہ میں کئی ممتاز اہلِ قلم اور محققین تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہیں جو زندگی کے مختلف مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرتے ہیں۔ ان حضرات کی لکھی ہوئی جو کتابیں ادارہ سے شائع کی گئی ہیں ان کی اشاعت سے مسلمانوں کے علمی اور تمدنی کارنامے منظرِ عام پر آ گئے ہیں اور اسلامی لٹریچر میں نہایت مفید اور خیال آفریں مطبوعات کا اضافہ ہوا ہے۔ ادارہ کی ان مطبوعات کو علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا ہے اور حکومت کے تعلیمی محکمے بھی ان کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کرتے ہوئے ادارہ کی معاونت فرما رہے ہیں۔ ادارہ سے نئے مطبوعات کی ایک ایسی فہرست شائع کی ہے جس میں کتابوں کے متعلق تعارفی نوٹ بھی درج ہیں تاکہ ان کی اہمیت و افادیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ یہ فہرستِ مطبوعات مندرجہ ذیل پتہ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com